Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 3 (January-March 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

"Poon Jhokole" Thematic Diversity in the Songs of Qayum Nazar

پون جھکولے" از قیوم نظر کے گیتوں میں موضوعاتی تنوّع

Dr. Hina Asghar
Visiting Assistant Professor, Department Of Urdu, University of Education, Lower Mall campus, Lahore, hinaasghar32@gmail.com

Dr.Nazia Sahar
Assistant Professor, Department Of Urdu, Islamia College Peshawar

Saddique
PhD Urdu research Scholar, Department Of Urdu, Qurtuba University Peshawar

Abstract

Geet is an important genre of Urdu poetry that came to Urdu from Hindi language. When a man expresses his love for a woman, a ghazal is born, whereas if this expression of love was done by a woman, it would have taken the form of a song. When we shed light on the history of Geet Nigari, the name of a poet like Qayyum Nazar cannot be ignored. Qayyum Nazar has been presented by our critics as a sophisticated poet. In the beginning, Qayyum Nazar dominated the world of literature as a poet of Ghazal. With the help of Mira Ji and Halqa Arba-e-Zouq, he tried his hand at other genres of poetry apart from Ghazal. Qayyum Nazar started writing songs inspired by Hindi traditions during this period. Qayyum Nazar introduced the song to a genre that is only sung, but unfortunately no one wrote on his songs

CC BY

except Mukhtar Siddiqui and Riaz Ahmed. His book "Poon Jhakule" is a book based on his songs, apart from this, songs are also found in other books of his poetry. The themes in these songs are diverse and colorful. While on the one hand he gives place to themes like natural scenes in his songs, he also expresses human emotions and feelings and emotional conditions of love very well. These characteristics create uniqueness and distinction in his songs. This paper presents a thematic study of his collection of songs "Pawan Jhakolay".

Keywords: Qayyum Nazar, Pawan Jhakoly, Urdu geet nigari, Halqa Arba-e-Zouq

عبدالقیوم بٹ حلقہ ارباب ذوق کے اہم رکن نہایت ذہین، روشن دماغ، بے حد ہنس مکھ، پر خلوص، خوش گفتار، ذمہ دار واصول پسند، ہمدرد، حاضر دماغ، محقق، نقاد، مترجم، استاد، ادیب اور شاعر تھے۔ آپ نے نظم، غزل اور گیت تینوں اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ ان کی شاعری میں نئے تجربات کی آرزو پائی جاتی ہے۔ فن سے خلوص اور اس کے لئے کاوش ان کا خلاصہ ہے۔ کلام میں ایک نغمگی اور موسیقیت ہے جسے ہر کاری محسوس کر سکتا ہے۔ ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں موضوعات کی رنگا رنگی اور شاعری میں ہئیتی بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہیں تمام خصوصیات انھیں اپنے ہم اثر شعراء سے ممتاز کرتی ہیں۔ گیت اردو ادب کی اہم صنفِ شاعری ہے۔ لفظ گیت ہندی زبان سے اردو میں آیا۔ یہ لفظ مذکر ہے جس کا مطلب گیت، راگ، نغمہ، سرود، بھجن گائے جانے کی چیز وغیرہ ہے۔ جب مرد عورت سے محبت کا اظہار کرتا ہے تو غزل جنم لیتی ہے جبکہ یہی محبت کا اظہار عورت کی طرف سے ہو تو گیت کا پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

"گیت اس وقت جنم لیتا ہے جب عورت کا دل محبت کے بیج کو قبول کر لیتا ہے۔"[1]

گیت فطرت کے ایک بہت حسین راز یعنی محبت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ عورت کے اظہار محبت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگرچہ موضوع میں جذبات کی شدت اور عشق کی تپش شامل ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک معصوم اندازِ بیان، ایک لطیف سادگی اور بے تکلف، بے ساختہ اور بے لوث جذبے کی چاشنی بھی ہے جو گیت کی دھیمی دھیمی مختصر کیفیتوں، گھمبگیر فضا اور پر سوز لہجے کی نغمگی اور غزل کی سی تہذیب، جذبات اور احتیاط اظہار سے مختلف دنیا کی جھلک پیش کرتی ہے۔[4] میراجی لفظوں کی ریت کے بارے میں لکھتے ہیں:

" سب سے پہلے آواز بنی، آواز کے آتار چڑھاؤ سے سر بنے۔ سروں کے سنجوگ سے بول نے جنم لیا اور پھر راگ ڈوری میں بندھ کر بول گیت بن گئے۔ یہ جنم جنم کے بندھن ٹوٹے جب کہیں جا کر گیت نے مکتی پائی مگر ننھے بالک کو کیا معلوم، وہ تو اس آواگون کے دوران میں نادانی کے جھولے میں لیٹا رہا۔ اس کے ہاتھ پاؤں جب کام دینے لگے تو گیت کی ناؤ جیسے اپنے آپ بنی بنائی سامنے دہری تھی۔ انجانے ہاتھوں نے جو چاہا ہو چکا اب جانے پہچانے ہاتھوں کا کام تھا۔ ننھے بالک نے کچھ سوچے بغیر ناؤ کو دھارے کے سہارے بہا دیا ہے۔"2

ڈاکٹر سلیم اختر نے گیت کی تعریف یوں کی ہے:

"جذبہ جب رس میں تبدیل ہو جائے تو گیت جنم لیتا ہے۔ جسم کی پکار جب کو ملتا کا رنگ پکڑے تو گیت کے بولوں میں ڈھلتی ہے۔ حسن برھا کی اگ میں جلے تو گیت نغمہ کے پیکر میں ڈھلتا ہے۔"3

صنف گیت محبت، حسن و عشق کے لطیف جذبات کا بیان ہے، تصوف اور فلسفیانہ موضوعات گیت کی طبع نازک برداشت نہیں کر سکتی۔ ہندی زبان میں مٹھاس، ملائمت اور نرمی ہے اس لیے گیت میں ہندی الفاظ کے استعمال سے حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے آپ ہی آپ ابھرنے والے میٹھے، شیریں رسیلے بولوں کا نام گیت ہے۔ یہ بول ہماری خواہشات، امنگوں، راحتوں، غموں اور حسرتوں کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جو سنتے ہی یوں محسوس ہوتے جیسے دل سے نکلے اور جیسے دل میں اتر گیے ہوں۔ گیت پڑھے لکھے عالموں کی پیداوار نہیں ہوتے۔ یہ گیت دھرتی اور دھرتی کے جائے سیدھے سادے، بھولے بھالے، الھڑ انسان کی پیداوار ہوتے ہیں۔ جن کو شہروں کی مصنوعی فضا، علم و حکمت اور تہذیب و تمدن نے چھویا نہیں ہوتا وہ جو کچھ محسوس کرتے ہیں اپنے آپ محسوس کرتے ہیں۔ اپنے طور پر کہتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں پورے احساس، پورے خلوص اور پوری شدت کے ساتھ کہتے ہیں۔ ان کی ایک آزاد لے ہوتی ہے۔ جو بیٹھے بیٹھے کسی چرواہے، کسی جاٹ، کسی کنواری، کسی دلہن، کسی برہن، کسی مامتا کی ماری، کسی دکھیا، کسی دکھی، کسی سہاگن کے دل سے ابھر کر ہونٹوں پر آتی ہے۔ دل کی بات دل ہی کی زبان میں جس میں نہ کوئی بناوٹ ہوتی ہے نہ پیچیدگی۔ گیت عوامی شعور کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان میں سادگی ہوتی ہے اور عم زندگی کی روایت کو جوں کا توں رقم کر دیا جاتا ہے۔ گیت کی تاریخ ہماری شاعری سے بھی پرانی ہے۔ اردو گیت نگاری کی بنیاد لوک گیت ہیں۔ لوک گیت عوام کی شاعری ہوتے ہیں۔4

CC BY

جب ہم گیت نگاری کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں تو قیوم نظر جیسے شاعر کا نام نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے ادب کی اس صنف شاعری کو مقبول عام بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ قیوم نظر کو ہمارے نقادوں نے بحیثیت نظم گو شاعر کے پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری کے دیگر فنی پہلوؤں کو بیان نہیں کیا۔ ان کی شاعری کی دیگر جہتوں کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی جتنی کی وہ مستحق ہیں۔ ابتدا میں قیوم نظر بحیثیت غزل گو شاعر کے دنیائے ادب پر چھائے رہے۔ ان کے پسندیدہ شاعر حسرت اور فانی تھے۔ میرا جی اور حلقہ ارباب ذوق کے طفیل انہوں نے غزل گوئی سے ہٹ کر نظم کی صنف میں طبع آزمائی کی۔ میرا جی کے مشورے پر ہی انہوں نے بلینک ورس کو اپنایا اور نظم میں ہیئت کے تجربات کیے۔ قیوم نظر نے اسی دور میں گیت بھی لکھے۔ قیوم نظر نے ہندی روایات سے متاثر ہو کر گیت نگاری کا آغاز کیا۔ ان کا تعلق ہندوانہ معاشرے سے بھی رہا۔ وہ ہندوؤں کے اسکولوں میں پڑے تھے اور وہیں انہیں ہندوؤں کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جنہوں نے انہیں متاثر کیا۔ لاہور میں بھی ہندو مسلم اکھٹے تھے اس حوالے سے وہ خود کہتے ہیں:

> "گیت نگاری کے شروع کرنے میں مجھ پر حفیظ جالندھری کا بھی اثر تھا۔ میں نے ان کے کام کو آگے بڑھایا بعض لوگ چکر میں آگیے ہیں۔ میرا جی کہتے ہیں کہ تم گیت نظم کے انداز میں کہتے ہو حالانکہ گیت اور نظم الگ الگ ہیں۔ اگر میرے گیت کے چھ بند ہیں تو تین کاٹ بھی دیں اثر پھر بھی قائم رہتا ہے۔ اگر تمہارے گیت میں سے ایک بند بھی نکال دیا جائے تو تمہارا گیت بگڑ جاتا ہے۔ میں نے کہا میرے اور آپ کے سوچنے کے انداز میں فرق ہے۔ میں گیت کو Identity کے طور پے لیتا ہوں اور آپ Thought Strength کے طور پر لیتے ہیں۔ چنانچہ میرا جی نے اپنے گیتوں کی کتاب کا انتخاب مجھ سے کروایا تھا انہوں نے کہا تھا کہ گیتوں کے بارے میں نہ یوسف ظفر کو صحیح اندازہ ہے نہ مختار صدیقی کو۔ لیکن گیتوں کی وجہ سے میں نے عابد علی سے موسیقی کی تربیت لی اسی طرح ہندو تہذیب نے بہت اثر ڈالا ہے گیت ان کی مذہبی رسوم کا لازمی حصہ تھے۔ میرا جی بی ہندو تہذیب سے بہت متاثر تھے۔ جب میں نے گیت نگاری کی تو عابد علی نے کہا یہ چھوڑ دو میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگے تم شریف آدمی ہو یہ ناچنے گانے والوں کا کام ہے۔ میں نے اپنا گیت پھاڑ دیا۔ اس کے بعد میرا جی نے کہا کہ ہم ایک گیت مالا

CC BY

شائع کر رہے ہیں تم اس کے لیے گیت دو میں نے کہا: میرے پاس کوئی گیت نہیں انہوں نے کہا جو گیت تم نے مجھے سنائے تھے وہ کیا ہوئے؟ میں نے کہا: کہ وہ تو میں نے پھاڑ دیے ہیں۔ میرا جی نے اصرار کیا کہ میں کوئی گیت یاد کر کے لکھوں۔ اس طرح جو گیت میں نے لکھ کر دیا وہ یہ تھا: "جو بن کا مان، مان نہ کر تو، جوبن کا مان"۔ اس کے بعد پھر لکھنے شروع کر دیے۔ میرے گیتوں میں ایک کہانی ہوتی ہے جس دور میں گیت لکھتا تھا نظمیں کم لکھتا تھا اپنی نظموں کو گیتوں میں ڈھال لیتا تھا۔"4

قیوم نظر نے گیت کو صرف گائے جانے والی صنف سے بلند سطح تک لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن ان کے گیتوں پر صرف مختار صدیقی اور ریاض احمد کے کسی نے نہیں لکھا۔2 قیوم نظر کے گیتوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں موضوعات اور ہئیت کا تنوع اور رنگا رنگی پائی جاتی ہے۔ جہاں وہ ایک طرف مناظرِ فطرت جیسے موضوعات کو اپنے گیتوں میں جگہ دیتے وہیں انسان کے دلی جذبات و احساسات اور عشق میں پیش آنے والی دلی کیفیات کا اظہار بھی بڑی عمدگی سے کرتے ہیں۔ یہ خصوصیات ان کے گیتوں میں ندرت اور امتیاز پیدا کرتی ہیں۔ ان کی کتاب "پون جھکولے" ان کے گیتوں پر مبنی کتاب ہے اس کے علاوہ ان کی شاعری کی دوسری کتب میں بھی گیت ملتے ہیں۔ پون جھکولے کے بارے میں کہتے ہیں:

"اس مجموعے کے متعدد گیت میری زندگی کے اتنے قریب اور اس کے بعض واقعات سے اس قدر وابستہ ہیں کہ مجھے ان کو منظر عام پر لانے میں تامل تھا۔۔۔۔ 1941ء سے لے کر 1946ء تک میں نے جتنے گیت لکھے وہ اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان گیتوں کو نفسِ مضمون کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تقسیم قطعی یا آخری نہیں کیونکہ بعض گیتوں میں اتنی لچک ہے کہ وہ نہایت آسانی سے ایک حصے سے دوسرے حصے میں منتقل کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ کچھ گیت ایسے بھی مل جائیں گے جو اس حد بندی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ہر حصے میں گیتوں کی ترتیب تاریخ وار ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ غور کرنے والوں کے لئے گیتوں کے آخر میں ان کے لکھے جانے کا سال بھی درج کر دیا گیا ہے۔"5

CC BY

انسانی فطرت مناظرِ قدرت کی شائق ہے اور ہر انسان اس کے حسن سے متاثر ہے۔ قدرت کا کوئی رنگ ہو، بہار ہو یا خزاں، غروبِ آفتاب کا منظر ہو یا طلوع سحر کا، بارش کی رم جھم ہو، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ہوں کوئی بھی قدرت کا منظر ہو انسان کی روح کی گہرائیوں کو معطر کر جاتا ہے۔ اور انسانی ذہن و دل کے لیے ایک نعمتِ مترقبہ ہے۔

حسن فطرت انسان اور انسانیت سے متعلقہ بصیرتوں کے ادراک کا ذریعہ ہے۔ انسان جب زندگی کے دکھوں سے تنگ آجاتا ہے اور اس سے فرار چاہتا ہے تو مناظر فطرت میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اس کا ذہن ماحول، جگہ یا مقام میں بند رہنے کی بجائے وسعت و کشادگی پسند کرتا ہے۔ قیوم نظر فطرت سے لگاؤ اور وابستگی رکھنے والے شاعر تھے۔ مناظر فطرت کا بیان بھی ان کے گیتوں کا اہم موضوع ہے جو ان کے گیتوں کے حسن کو دوبالا کرتا ہے۔ وہ اپنی دھرتی سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے اور اس کی رنگا رنگی اور خوبصورتی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور منہمک ہو جانے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے بقول محمد ایوب ندیم:

> "دھرتی کے ساتھ ان کی وابستگی نہایت گہری ہے وہ اپنے گیتوں میں فطرت کے مختلف استعارے استعمال کرتے ہیں لیکن ان میں داخلی عنصر شامل کر دیتے ہیں۔ وہ قدرت کے نظارے دیکھتے ہیں اور پھر ان میں منہمک ہو جاتے ہیں۔"6

قیوم نظر کا دھرتی کے ساتھ گہرا جذباتی لگاؤ اور وابستگی ان کے گیتوں میں نظر آتا ہے۔ اسی وابستگی سے وہ اپنے گیتوں میں فطرت کے دھرتی پر بکھرے ہوئے رنگوں کو دیکھتے ہیں ان کا لمس محسوس کرتے ہوئے ان کو داخلی جذبے کی کار فرمائی کے تحت گیت کی صورت میں ڈھال لیتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ استعارات کو بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ کبھی وہ غروب آفتاب کے منظر کو خوبصورت لفظوں کے لبادے میں تصویری صورت دیتے ہیں۔ کبھی برکھارت پر یوں نثر ڈالتی ہے کہ وہ ان کو بے قرار و بے چین کر دیتی ہے وہ اس منظر کو اپنے جذبے کے تحت گیت میں سمو دیتے۔ ان کے مطابق قدرت ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔

قیوم نظر قدرت کو گوشت پوست سے بنے انسان کی طرح دیکھتے ہیں۔ جو اپنے حسین نظاروں کے ذریعے ان کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور ان کے دلی جذبات و کیفیات کو قدرت کے مختلف رنگوں میں بیان کرتے ہوئے گیت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ قاری ان گیتوں کو پڑھ کر محظوظ ہوتا ہے۔ اور وہی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے جو قیوم نظر پر ہوتی ہے۔ مثلاً بہار کی آمد پر باغ میں جو سماں برپا ہوتا ہے اسے "پون جھکولے" کے ایک گیت "پھر جاگے گل بوٹے" میں یوں بیان کرتے ہیں:

پھر جاگے گل بوٹے

سورج چمکا چشمے پھوٹے

CC BY

پھر جاگے گل بوٹے

سوئی ہوئی تھی ندی جاگی

بھورا، پدڑی، مینا، شاما

جاکے چمن کے پرانے راگی 7

ایک اور جگہ اسی صورتحال کو بیان کرتے ہیں:

لپک جھپٹ کو آئیں جائیں

بگڑ، بپھر کر شور مچائیں

دھیان کی لہراتی چھاؤں کے

بھورے کالے بادل

روم جھوم کر برسیں

سجی ہوئی ہر سیج پہ جھولیں

کلی کلی کی مہک کو چھولے

نئی نویلی اشاؤں کے

اڑتے اڑتے آنچل

چوم چوم کر برسیں 8

فطرت کے حسن سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب وہ ماضی کی یادوں میں کھو جاتے ہیں۔ کبھی یہ یاد بچھڑے ہوئے لوگوں کی ہوتی ہے تو کبھی گزری ہوئی سہانی شاموں کی تو کبھی محبوب کی یاد یہی یادیں ان کے اندر بے چینی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں اور ایک انجانے جذبے کو تحریک دیتی ہیں ۔انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ماضی کی یادوں کو سینے سے چمٹائے رکھتا ہے خواہ وہ یادیں اسے بے قرار اور تنہا ہی کیوں نہ کر دے اور کبھی کبھار یہ یادیں انسان کے دل میں

CC BY

کسک بن کر رہ جاتی ہے اور کچھ تمناؤں آرزوؤں کو بیدار کرتی ہے۔ قیوم نظر کو بھی مناظر فطرت ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے گیتوں کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ اسی جذبے کو اپنے ایک گیت میں یوں بیان کرتے ہیں:

تیر چھپا ہے گھاؤ ہے گہرا

بیتے دنوں کا سرکتا آنچل

بدلے ہوئے موسم کا لہرا

جھوٹے ہیں سب سپنے جھوٹے

پھر جاگے گل بوٹے 9

میں نے شاخوں کے جھولے جھلائے

میں نے پھر یاد کیا ان کو جو مدت ہوئی مجھ کو بھولے

میں ہوں ہر شے پر نثار

مجھ سے موسم کی بہار 10

لے آتا ہے اب پل پل آنکھوں میں آنسوں

بیتی بہاروں کا جادو 11

قیوم نظر جب مناظر فطرت کی عکاسی کرتے ہیں تو ان میں ان کی منظر نگاری بے مثال ہے۔ کوئی بھی منظر ہو اس کی عکاسی اتنی عمدگی اور خوبصورتی سے کرتے ہیں کہ تمام مناظر آنکھوں کے سامنے حقیقت بن کر آجاتے ہیں۔ کوئل کی کوک ہو یا بہار کا موسم ہو یا غروب آفتاب کا منظر وہ ہر منظر کی عکاسی عمدہ کرتے ہیں۔ جس کے لیے وہ مختلف استعاروں سے کام لیتے ہیں انہیں قدرت سے گہرا عشق ہے اور اسی میں وہ محبوب کے حسن کے مختلف جلووں کو دیکھتے ہیں اور اسے بیان کرنے کے لیے مختلف علامتیں فطرت کے مناظر سے لیتے ہیں بقول ریاض احمد:

"اپنی نظموں (گیتوں) میں قیوم نظر نے بالعموم عاشقانہ واردات کا براہ
راست تذکرہ نہیں کیا حسن کے لیے ایک والہانہ جذبہ معنوی یا جسمانی

تجلیات جمال کا ذکر اس کے کام میں نہیں ملتا۔ محبوبہ کی ایک پرچھائی اس کے کلام میں جابجا نظر آجاتی ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مناظرِ فطرت یا اس کے داخلی واردات کے پیچھے ایک محرک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی جس کی تخصیص یا تجسیم پر اس نے اصرار نہیں کیا۔"12؎

قیوم نظر کے گیتوں کا دوسرا اہم موضوع محبت ہے۔ محبت ایک فطری اور پاکیزہ اور لطیف جذبہ ہے جو اس کائنات کی ہر شے پہ حاوی ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں میں سمایا ہوا ہے۔ یہی دکھی دلوں کا قرار ہے۔ انسان تو انسان حیوان اور چرند پرند بھی اسی جذبے سے بہرہ ور ہیں۔ یہ محبت کا ہی کرشمہ ہے کہ کائنات میں تحمل اسی کے دم سے قائم و دائم ہے۔ کسی اچھی چیز کو چاہنا پسند کرنا اور نظر تحسین سے دیکھنا محبت ہے تو اسی کو حاصل کرنے کی شدید آرزو اور تمنا کا نام عشق ہے۔ اردو شاعری کی قریباً دو تہائی حصہ اسی جذبہ عشق کی بازگشت ہے۔ جس طرح محبت کرنا ایک فطری جذبہ ہے اسی طرح خوبصورتی اور حسن سے متاثر ہونا اور اس کا اظہار کرنا بھی ہماری فطرت کا حصہ ہے حسن خواہ فطرت کا ہو یا انسان کا دامن دل کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اسی گرفت یا کشش کا نام محبت اور عشق ہے اور یہیں سے اس کا آغاز ہے۔ اپنے گیتوں کا تانہ بانہ محبت کے جذبات و احساسات سے تیار کیا ہے ان کے ہاں محبت کے مختلف پہلو نظر آتے ہیں وصال ہو یا فراق محبت میں ناکامی ہو یا کامیابی اعتماد ہو یا سپردگی ہو یا انتظار ان تمام پہلوؤں کو گیت کی شکل دیتے ہیں ان کے ہاں عشق کا والہانہ اظہار نہیں ملتا مختار صدیقی اس سلسلے میں پون جھکولے کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"گیت مزاجاً محبت کے والہانہ اظہار کی ایک صورت ہے جس میں من و تو کا رشتہ سامنے آتا ہے اور اس رشتے کو منظر عام پر لانے میں شاعر عام طور سے ضبط و امتناع کی روش کو اختیار نہیں کرتا کہ گیت کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن قیوم نظر کے گیتوں میں ایک عجب سی جھجک موجود ہے جو بظاہر گیت کے مزاج کے منافی ہے لیکن جس نے دراصل گیت کی جذباتیت میں ایک دھیما پن پیدا کیا ہے قیاس غالب ہے کہ حاضر کے تہذیبی انظباط کے اثرات ثبت ہوئے ہیں اور کچھ خود قیوم نظر کی شخصیت میں جذبے سے بے اعتنائی کی روش نے ایک دھیمی لے کو جنم دیا ہے بہر کیف قیوم نظر نے گیت کی شدید جذباتی فضا کو ایک علامتی رنگ تفویض کر کے اسے مدھم اور پر سکون بنا دیا اور یہی اس کے گیت کا امتیازی وصف ہے۔"13؎

CC BY

قیوم نظر کے گیتوں میں ہمیں محبت کا پاکیزہ جذبہ نظر آتا ہے اس میں دوسرے شعرا کی طرح جنس کا پہلو نظر نہیں آتا انہوں نے محبت کے پاکیزہ جذبے کے اظہار کے لیے جنسیات کا سہارا نہیں لیا۔ عشق کا رویتی موضوع ان کے الگ انداز میں نظر آتا ہے اس میں تجربے کا والہانہ پن نہیں عشق کی ہلکی ہلکی ٹھیس ہی قیوم نظر کا کل سرمایہ ہے۔

عورت کے حسن کا بیان بھی عشق کا اہم پہلو ہے عورت خاص طور پر محبوبہ کا حسن فتنہ را، حشر ساماں، سادہ و پرکار، تغافل کیش اور انتہائی چوکا دینے والا ہوتا ہے۔ وہ خورشید جمال ہوتا ہے۔ محبوب کی ہر ادا دل کو چھو جاتی ہے اور دل میں اترتی ہے اس کا حسن پریوں جیسا ہوتا ہے۔ قیوم نظر کے ہاں محبوبہ / عورت ایک جیتی جاگتی عورت ہے۔ کوئی ماورائی محبوبہ نہیں قیوم نظر محبوبہ کے حسن کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

اللہ کی پریوں ایسی جوانی

جگ کے لیے آکاش کی بانی

ماتھے پر چندن کا ٹیکہ

روم روم ناچے گوری کا

من مندر میں پکار

جاگی جھانجھن کی جھنکار 14؎

قیوم نظر کے یہاں وصال اور فراق کی دو الگ الگ کیفیات بھی موجود ہیں جس میں سے ہر عاشق کو گزرنا پڑتا ہے۔ یہ دونوں مراحل بڑے کٹھن ہیں۔ عاشق جب وصال نہ پانے کی کیفیت سے گزرتا ہے تو بے قرار اور بے چین نظر ہو جاتا ہے۔ محبوب کی جدائی احساس اور محرومی عاشق کو کہیں چین نہیں لینے دیتی اور وہ آہ وزاری، نالہ و شیوہ اور رونے دھونے پر مجبور ہو جاتا ہے قیوم نظر کے ہاں فراق کے حوالے سے دو کیفیات ملتی ہے۔ ایک وہ کیفیت ہے جب وہ محبوب کا وصال نہیں پاتے تو بے قرار و مضطرب ہو جاتے ہیں اور ان کا دل مسلسل بے چینی کی کیفیت میں رہتا ہے۔ دوسری کیفیت وہ ہے جب وہ محبوب سے پھر فراق کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق اگر محبوب دور رہا تو اس کی عظمت بڑھے گی اور محبوب کے لیے لگن اور تڑپ میں اضافہ ہو گا اور محبوب سے وصال ہو گیا تو محبت میں بے چینی کی کیفیت ختم ہو جائے گی اس کیفیت کو وہ اپنے گیتوں میں یوں بیان کرتے:

سکھ ساگر میں جیسے تنہا چاند کی ناؤ بہے

CC BY

دور کہیں اک داسی دیو داسی بن کے رہے 15؎

تم پاس بھی آ کر دور رہے

تم دل کی دھڑکن سن نہ سکے

پلکوں پہ چمکتے تاروں کو

اپنے ہونٹوں سے چن نہ سکے

جی چاہتا ہے پر کیسے کہے

تم پاس بھی آ کر دور رہے 16؎

فراق کی کیفیات کو اس طرح بیان کرتے:

سپنوں کا جادو ٹوٹ گیا

راہ تکتے تکتے چندرن کی جی تاروں کا ٹوٹ پھوٹ گیا

سجی سجائی سیج رین کی بھوت بھور کا لوٹ گیا

سپنوں کا جادو ٹوٹ گیا

جاگ رہے ہیں دھیرے دھیرے

پنڈت، پانڈے، پجاری، پروہت، کھڑ نالے، سنگھ، مجیرے

آرتی پوجا کو درشن پیاسی

من مندر میں ہے دیو داسی

چھنا چھن، گری پاؤں میں، دھیان کا درپن پھوٹ گیا

سپنوں کا جادو ٹوٹ گیا 17؎

CC BY

محبت کا ایک اہم پہلو اور مرحلہ تسلیم و رضا اور خود سپردگی ہے۔ عاشق محبوب کے سامنے بے بس اور لاچار ہو جاتا ہے۔ عشق عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی دونوں کے لیے تسلیم و رضا اور خود سپردگی کی ضروری ہے جب تک انسان اپنی انا کو ختم نہ کرے محبت نہیں کر سکتا محبوب کی رضا میں اس کی رضا ہوتی ہے۔ قیوم نظر بھی اپنے گیتوں میں تسلیم و رضا اور خود سپردگی کے قائل نظر آتے ہیں وہ اپنے محبوب کے سامنے بے بس اور لاچار ہیں ۔ محبوب کی رضا میں ہی ان کی رضا ہے۔ محبوب کے حکم کے مقابلے میں ان کا دل ساکن و مطمئن ہے یہی وہ جذبہ ہے جو انہیں اس عالم مقام پر فائز ہونے اور عشق میں پیش آنے والے حادثات اور مصائب کا استقبال سکون قلب اور اطمینان نفس کے ساتھ کرنے پر آمادہ کرتا ہے ان کے گیتوں میں محبت کی وہ کیفیات بیان کی گئی ہیں جس میں وہ اپنا سب کچھ محبوب کے سپرد کر دیتے ہیں:

میں کیسے کہوں

تم جیسے چاہو رہوں

میں کیسے کہوں 18؎

بے بس کا زور

زور نہیں کچھ اور

سیکھ لیا جی نے دکھ سہنا

ٹک ٹک ٹک چپ رہنا

مشکل کر آسان

جو بن کا مان

ماں نہ کر تو مان 19؎

جہاں قیوم نظر کے ہاں ہمیں وہ کیفیت نظر آتی ہے جب وہ محبوب کے فراق کو ہی عافیت سمجھتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں وہیں ہمیں ان کے محبوب کا انتظار کرنے کی کیفیت بھی نظر اتی ہے۔ جب ان کا محبوب نہیں آتا تو وہ اس کا انتظار کرتے ہیں۔ انتظار کرنا بہت ہی تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ ایک ایک پل لمحہ گھڑی بڑی کھٹن ہوتی ہے۔ قیوم نظر جب محبوب کا

CC BY

انتظار کرتے ہیں تو انہیں انتظار کی آگ میں سلگ کر ایک لذت اور اطمینان محسوس ہوتا ہے محمد ایوب ندیم اس بارے میں لکھتے ہیں:

"بظاہر قیوم نظر کی محبت میں دو کیفیات متضاد نظر آتی ہیں کہ ایک طرف تو وہ محبوب سے فراق کو وصال پر ترجیح دیتے ہیں اور دوسری جانب وہ محبوب کا شدت کے ساتھ انتظار کرتے ہیں اور جب وہ نہیں آتا تو وہ مایوس ہو جاتے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو قیوم نظر نے فراق کو دو مختلف زاویوں سے بیان کیا ہے اور اس طرح اس موضوع میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اس قسم کے گیت جذباتی گیتوں کی ذیل میں آتے ہیں۔"20؎

انتظار کی کیفیت کو اپنے ایک گیت میں یوں بیان کرتے ہیں:

کوئی نہ آیا کوئی نہ آیا

قدم قدم پر نین بچھائے

پلک پلک پر دیپ جلائے

کوئی نہ آیا 21؎

حب الوطنی ایک فطری قدرتی اور روحانی جذبہ جو انسان ہی میں نہیں بلکہ پرندوں اور ہر جاندار میں بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ یہ جذبہ ملک سے محبت اور وفاداری ہی سے پروان چڑھتا ہے۔ یہ جذبہ سچا، مخلصانہ اور بے لوث ہوتا ہے۔ اس احساس فکر کی شہادت ہر ملک کے ادب میں ملتی ہے۔ انسان جس سرزمین پر ماہ و سال گزارتا ہے اور اسے اس کی ہواؤں، فضاؤں، فصل و سمندروں، دریاؤں، درختوں اور لوگوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ قیوم نظر بھی اپنی دھرتی سے لگاؤ رکھتے تھے یہی وجہ کہ ان کے گیتوں میں ہمیں وطن کے گیت بھی ملتے ہیں۔ ان کی شاعری کی جڑیں اپنی سرزمین میں ہی ہیں۔ ان کے گیتوں سے وطن کی محبت کی خوشبو آتی ہے۔ اگرچہ ایسے گیتوں کی تعداد زیادہ نہیں پھر بھی یہ گیت ان کے قومی اور ملی احساس کے آئینہ دار ہیں۔ حب الوطنی کے حوالے سے جو گیت انہوں نے لکھے فطرت کے نظاروں سے ان کا تانا بانا جوڑتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل گیت میں وہ اس کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

صبح وطن کو حسین کرنوں نے اجالا ہے

چڑھتے دن کو جواں سورج نے سنبھالا ہے

CC BY

اک نیا آغاز چمن بندوں نے کیا

صحن چمن میں لایا رنگ بزم نیا

آزادوں کا عزم نیا   22ے

اردو شاعری میں بہت سے شعراء کے ہاں تصور غم ایک اہم موضوع ہے۔ میر کے ہاں ایک خاص انداز ہے۔ فانی کے یہاں ایک الگ انداز میں یہ تصور ملتا ہے۔ کوئی بھی شاعر ہو اس تصور کو اپنے منفرد اور مخصوص انداز میں بیان کرتا ہے۔ زندگی میں غم ایک اٹل حقیقت ہے۔ زندگی کے غم ہمیں مسکرانا سکھاتے ہیں ۔ غم ایک ایسی کیفیت جو کسی انسان کو ذاتی سطح سے بلند کر کے اعلیٰ تفکر کا حامل بنا دیتی ہے۔ غم ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو حساس اور نرم دل بنا دیتا ہے۔ غم نہ ہو تو زندگی کی خوشیاں بے معنی اور روکھی سی معلوم ہوتی ہے۔ قیوم نظر کے گیتوں میں بھی غم کی ایک کیفیت ہے۔ مناظرِ فطرت کو دیکھتے ہیں تو انہیں ماضی کے خوشگوار لمحات کی یاد غمزدہ اور اداس کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک گیت ملاحظہ ہو:

سکھ کی کلی

جیون کی ڈالی پہ آتے ہی سنولا گئی

مرجھا گئی سکھ کی کلی   23ے

لاج کی ماری سکھ کی گھڑیاں کیسی آنکھ اٹھائیں

پک پک ڈولیں رک رک جائیں آنے سے شرمائیں

دکھ چاتر ہے کھلے کواڑوں آگے

آئے اور نہ جائے   24ے

قیوم نظر کے گیتوں میں غم اور یاسیت کے ساتھ ساتھ امید کی ایک کرن بھی نظر آتی ہے۔ قیوم نظر جب غمگین اور غم زدہ ہوتے ہیں اور مصائب سے تنگ آکر ہمت ہار بیٹھتے ہیں تو وہ امید ان کا دامن تھام لیتی ہے۔ انہیں حالات کے بہتر ہونے کی امید ہے۔ جس کے ذریعے ان کا غم کسی حد تک کم ہو جاتا ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ جہاں ان کے یہاں یاس ہے وہی آس

OPEN ACCESS

کی ایک نئی دنیا بھی ہے۔ وہ نا امیدی کے عالم میں بھی حالات کے بہتر ہونے اور کبھی بہار کی آمد کا انتظار کرتے ہیں بقول مختار صدیقی:

> "ان گیتوں میں جوانی کی سرشار اور مستانی لذتیں ہیں پھر جوانی اپنی فکر انگیزی میں اعتکاف کرتی نظر آتی ہے اور اس کے بعد ایک غمگین سنجیدگی کا دور ملتا ہے جس میں مایوسی بھی جھلکتی ہے اور امید بھی یہی ان کی کل کائنات ہے۔"25

ان کے گیتوں میں امید جابجا نظر اتی ہے:

چمک رہی ہیں سنہری تانیں

آتے دنوں کو اب پہچانیں

بیتی رات کی بات ٹلی

آج کھلی ہے وقت کی اور اک بند کلی 26

آئیں گے پھر بھی اجلے نئے دن

سپنوں کے بل پر جب کٹ گیے دن 27

اخلاقی مسائل کا بیان بھی شاعری کا اہم موضوع ہے نیکی، شرافت، دیانت، صدق و امانت وغیرہ ایسے چھوٹے چھوٹے اخلاقی مسائل ہیں جو دیگر شعراء کے ہاں ملتے ہیں۔ میر سے لے کر اقبال تک بہت سے شعراء کے ہاں یہ رجحان کثرت سے ملتا ہے۔ اردو اور فارسی میں اس حوالے سے بڑی توانا اور مضبوط روایت ملتی ہے۔ قیوم نظر کے گیتوں میں بھی اخلاقی عنصر پایا جاتا ہے۔ اس سے پہلے بھی اخلاقی مضامین شاعری میں بیان کیے گئے ہیں ۔ قیوم نظر نے مشہور شعراء اقبال تاثیر وغیرہ کی طرح تو اخلاقی مضامین نہیں باندھے اور ان کی طرح تسلسل سے پیش نہیں کر سکے مگر انہوں نے سطحی جذبات کو سوچ بچار اور غور و فکر کی بلندی سے آشنا ضرور کیا ہے۔ قیوم نظر کے گیت اخلاقی تلقین سے زیادہ اخلاقی احساس کے حامل نظر آتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ گیت ملاحظہ ہو:

کتنی کلیوں کو چلتی ہوا نے

CC BY

جمع کیا کانٹوں کے سرہانے

دیکھ رہا ہے سلگتا گھاس

کوئی آئے نہ آئے پاس

جی کیوں ہوا داس 28؎

اس گیت میں بے اعتنائی اور سرد مہری ہونے کے باوجود ایک شعوری کیفیت دیکھنے کو ملتی ہے۔

اردو شاعری کی روایت میں تصوف کے موضوع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تصوف اور شاعری ایک گہرا ربط رکھتے ہیں۔ تصوف میں خاص طرح کا ذوق وجدان اور محبت و شیفتگی پائی جاتی ہے۔ اردو شاعری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فارسی کی گود میں پلی بڑھی ہے۔ فارسی کے بیشتر شعراء نے شاعری میں سوز و گداز، رفت خیال اور پاکیزگی پیدا کرنے کے لیے تصوف کا سہارا لیا ہے۔ جس طرح محبت جذبے کے بغیر شاعری نامکمل ہے۔ اسی طرح تصوف کی بنیاد بھی محبت کے جذبے پر ہے۔ جس طرح شاعری میں عاشق کی تلاش کا محور محبوب ہے اسی طرح صوفی بھی محبوب حقیقی کی تلاش میں رہتا ہے لیکن اس کا محبوب زمان و مکان اور جسمانی حدود و قیود سے آزاد ہوتا ہے۔ قیوم نظر بھی اس موضوع کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

تیری چاہ نے مجھ کو بچایا جگ کے ہر پھندے سے

لاج رکھی ہے میری تو نے میرا انت سنوارہ

جے تیری، جے جے 29؎

قیوم نظر کی ہاں دیگر موضوعات کی طرح تصوف کے حوالے سے مختلف تلمیحات کی طرف اشارہ کر کے صوفیانہ عناصر کو اجاگر کرتے ہیں۔ تصوف جیسے موضوع کو اپنے گیتوں میں بیان کرنے کی وہ دو وجوہات ہیں ۔ تصوف کے مضامین کو گیتوں میں سمونے کی ایک وجہ تصوف کی طرف ان کا فطری رجحان ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ صوفیا سے گہری عقیدت رکھتے ہیں۔30؎

قیوم نظر صوفیہ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں صوفیا میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس سے وہ بہت متاثر تھے اور ان کی عقیدت میں گیت لکھے۔ "نگری داتا کی" اور داتا توڑ بھی دے یہ بندھن" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

CC BY

داتا توڑ بھی دے یہ بندھن

داتا توڑ بھی دے یہ بندھن

جینا مرنا پرائے بس میں

اپنے پاس پرائی رسمیں

داسی، درشن، ٹن ٹن

داتا توڑ بھی دے یہ بندھن 31؎

قیوم نظر نے تصوف کے ساتھ ساتھ ہندوستانی روایات کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے گیتوں میں ہندوستانی تہواروں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے گیتوں میں بسنت اور ہولی کے موضوع اور ان تہواروں کی خوشیوں اور مسرت کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ ہندوستانی تہذیب سے اپنا رشتہ گہرا اور مضبوط کر لیتے ہیں ۔

کسی بھی شاعر یا ادیب کا ادبی دنیا میں مقام و مرتبہ متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے فکر اور فن دونوں کا جائزہ لیا جائے فکر کا تعلق موضوعات، فلسفیانہ، حکیمانہ رجحانات سے جبکہ فن کا تعلق کسی بھی ادیب کے اسلوب نگارش سے ہے۔ ہر شاعر و ادیب کا اپنا ایک خاص اسلوب بیان ہوتا ہے جو اسے اپنے زمانے کی دوسری شخصیات سے ممتاز کرتا ہے۔ قیوم نظر کے گیتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے اسلوب کے نمایاں خصائص میں اختصار، منظر نگاری، غنایت اور موسقیت، ہئیت کے تجربات، برجستگی و بے ساختگی، مختلف بحروں کا استعمال، علامتی انداز، تشبیہ، استعارہ، پیکر تراشی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں گیتوں میں موضوعات کا تنوع، رنگا رنگی موجود ہے۔ زندگی کے مختلف رنگ، کیفیات، جذبات و احساسات ان کے گیتوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جنہیں وہ خوبصورت گیتوں کے پیرایہ میں قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہ گیت صرف گیت ہی نہیں بلکہ دل میں اتر جانے والی آواز کی حیثیت رکھتے ہیں جسے پڑھ کے ہر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے اپنے دل کی آواز ہو۔ ان کے گیت گیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ گیتوں کی انہیں خصوصیات نے انہیں اردو گیت نگاری میں ایک الگ مقام و مرتبہ عطا کیا ہے۔ جو انھیں دیگر گیت نگاروں سے الگ منفرد کرتے ہیں۔

CC BY

حوالہ جات

ا۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج، دہلی: سیمانت پرکاشن، 1991ء ص213

2 میراجی، گیت ہی گیت دیباچہ، دہلی: ساقی بک ڈپو، ص13-14

3 سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ص190

4 نفیس اقبال، پاکستان میں اردو گیت نگاری، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 1986ء، ص13

5 قیوم نظر، پون جھکولے، لاہور: کتاب خانہ پنجاب، 1948ء، ص9-10

6 محمد ایوب ندیم، قیوم نظر بطورِ شاعر، لاہور: مقالہ برائے ایم اے اردو، مملوکہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، 1988ء، ص196

7 قیوم نظر، پون جھکولے، لاہور: کتاب خانہ پنجاب، 1948ء، ص13

8 ایضاً، ص 17-18

9 ایضاً، ص 14

10 قیوم نظر، سویدا، لاہور: گوشہ ادب، 1954ء، ص11

11 قیوم نظر، پون جھکولے، لاہور: کتاب خانہ پنجاب، 1948ء، ص57

12 ریاض احمد، قیوم نظر ایک تنقیدی مطالعہ، لاہور: اردو بک سٹال، س ن، ص154

13 قیوم نظر، پون جھکولے، لاہور: کتاب خانہ پنجاب، 1948ء، ص112

14 ایضاً، ص80

15 ایضاً، ص 46

16 ایضاً، ص 83

17 ایضاً، ص 42-43

18 ایضاً، ص62

19 ایضاً، ص 40-41

20 محمد ایوب ندیم، قیوم نظر بطورِ شاعر، لاہور: مقالہ برائے ایم اے اردو، مملوکہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، 1988ء، ص199

21 ایضاً، ص205

CC BY

22 ایضاً، ص199

23 قیوم نظر، سویدا، لاہور: گوشہ ادب، 1954ء، ص47

24 قیوم نظر، پون جھکولے، لاہور: کتاب خانہ پنجاب، 1948ء، ص103

25 ایضاً، ص 114

26 ایضاً، ص24

27 ایضاً، ص93

28 ایضاً، ص 26

29 ایضاً، ص 102

30 محمد ایوب ندیم، قیوم نظر بطورِ شاعر، لاہور: مقالہ برائے ایم اے اردو، مملوکہ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، 1988ء، ص602

CC BY